تبصرۂ کتب

بلوچستان میں تذکرۂ اردو

نام کتاب: بلوچستان میں تذکرۂ اردو

مصنف: ڈاکٹر انعام الحق کوثر

تبصرہ نگار: عرفان الحق صائم

تاریخ اشاعت: اکتوبر ۲۰۰۶ء

قیمت: ۴۰۰ روپے

ناشر: ادارۂ تصنیف و تحقیق بلوچستان کوئٹہ

پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی اردو کے حوالے سے تازہ ترین کتاب بلوچستان میں تذکرۂ اردو میرے سامنے ہے میرے لئے اس لئے تازہ ترین ہے کہ میں نے اب آ کے اس کا مطالعہ مکمل کیا اور تبصرے کیلئے قلم اٹھایا ورنہ یہ کتاب اکتوبر ۲۰۰۶ء میں طبع ہو کر نومبر میں مجھے ڈاکٹر صاحب کی جانب سے بطور تحفہ مل چکی تھی اور اب تک تو شاید کوئی اور نئی کتاب مارکیٹ میں آنے کیلئے پر تول رہی ہوگی کیونکہ اس سلسلے میں' میں نے ایک بار لکھا تھا کہ ہم اتنی دیر میں ایک مقالہ یا مضمون نہیں لکھ پاتے جتنی دیر میں ڈاکٹر صاحب کی ایک ضخیم کتاب منظر عام پر آ جاتی ہے اور میری یہ رائے میری دانست میں اب بھی درست ہے، اس کا ثبوت یہ ہے کہ مختلف موضوعات پر چار پانچ کتابوں کا مواد تیار ہونے کے باوجود میں آج تک اپنی ایک کتاب بھی شائع نہ کر پایا جبکہ محترم ڈاکٹر انعام الحق کوثر صاحب پیرانہ سالی کے باوجود بالکل نوجوانوں کی طرح اب بھی اس کام میں جتے ہوئے ہیں، اور ''ماشاء اللہ'' ایک سو سے زائد کتابیں منظر عام پر لا چکے ہیں۔ کہتے ہیں اگر کسی چیز کا وظیفہ کر لیا جائے اور چلہ کاٹ لیا جائے تو اس عبارت یا وظیفے کے موکلات تابع ہو جاتے ہیں اور وظیفہ تو محض چالیس دنوں کا ہوتا ہے جبکہ ڈاکٹر صاحب نے تو سالہا سال کتابیں لکھنے کا وظیفہ کیا ہے، اور کتابیں بھی سو سے زائد تحریر کر دی ہیں۔ مجھے کہنے دیجئے کہ شاید اب ڈاکٹر صاحب کا یہ کام بھی موکلات ہی کر دیتے ہوں گے۔ میرا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو اتنی محنت کا کام اتنی باقاعدگی اور تندہی سے کرنے پر سلام ہے میں انہیں ان کی تحریری کاوشوں پر خراج تحسین پیش کرتا ہوں اور اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ جو کام وہ کرتے ہیں وہ یقیناً ایک بھاری پتھر اٹھانے کے مترادف ہے اور یہ کام ہر ایک نہیں کر سکتا خواہ وہ میری طرح لکھنے لکھانے اور پڑھا لکھا ہونے کی کیسی ہی خوش فہمی میں کیوں مبتلا نہ ہو۔

اب آتے ہیں ڈاکٹر صاحب کی کتاب ''بلوچستان میں تذکرۂ اردو'' کی جانب۔ساٹھ کی دہائی میں ڈاکٹر صاحب نے بلوچستان کے ادباء وشعراء کے حوالے سے ایک کتاب لکھی تھی ''بلوچستان میں اردو'' جس میں انہوں نے بلوچستان کے تقریباً تمام ہی نئے و پرانے اہل قلم کا نہ صرف مفصل ذکر کیا تھا بلکہ ان کا نمونہ کلام بھی شامل کر دیا تھا، چونکہ وہ کتاب بلوچستان کے ادب میں ایک سند کی حیثیت اختیار کر گئی تھی اس لئے بعد میں آنے والی کتابوں میں واضح طور پر مذکورہ کتاب سے اکتساب کا اعتراف کیا گیا۔لیکن بعد میں مزید شعراء اور ادباء متعارف ہوتے رہے اور ان کے ناموں کی فہرست طویل سے طویل تر ہوتی چلی گئی اہل قلم حضرات نے اس سلسلے میں اپنے طور پر بعد میں آنے والے شعراء وادباء کے تعارف کا احاطہ بھی کیا لیکن ان میں سے اکثر میں نہایت واضح اور مشہور ومعروف شخصیات ہی شامل ہونے سے رہ گئیں۔ایسی شخصیات بھی جن کا حقیقی معنوں میں اپنے زمانے میں طوطی بولتا تھا۔لہٰذا ایسی صورت میں ڈاکٹر صاحب کو ایک بار پھر یہ شرف حاصل ہوا کہ وہ نئے پرانے تمام شعراء وادباء کا تعارف و کلام پیش کریں اور اس کتاب میں جو چار سو صفحات پر مشتمل ہے یہی کچھ بڑی محنت سے پیش کیا گیا ہے اور یہ کتاب صرف میز پر بیٹھ کر اپنے وجدان سے نہیں لکھی جا سکتی اس کیلئے دور ونزدیک رہنے والے اور لکھنے والے لوگوں سے رابطہ کرنا پڑتا ہے ان سے تمام تر معلومات حاصل کرنا پڑتی ہے، اور اکثر اوقات معذرت کے ساتھ در در کی ٹھوکریں کھانا پڑتی ہیں تب کہیں جا کے چار سو صفحات کی کتاب مرتب ہوتی ہے۔

اس کتاب کو ڈاکٹر صاحب نے ہمدرد صدی ۲۰۰۶ء-۱۹۰۶ء کی تکمیل کے حوالے سے ادارۂ ہمدرد کی روح رواں، حکیم محمد سعید شہید کے نام منسوب کیا ہے، یقیناً حکیم سعید اس قابل ہیں کہ ان کے نام ایک تو کیا ایسی ہزاروں کتابیں منسوب کی جائیں کیونکہ ایسی نابغۂ روزگار شخصیات روز روز پیدا نہیں ہوتیں بلکہ صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں، پھر ڈاکٹر صاحب نے حکیم صاحب سے اپنے جس تعلق کا انتساب میں اظہار کیا ہے وہ اس بات کا متقاضی تھا کہ یہ کتاب جو عین ہمدرد صدی کی تکمیل پر سامنے آرہی ہے اسے حکیم سعید کے ہی نام سے منسوب کیا جائے، کتاب کے پیش لفظ میں ڈاکٹر صاحب نے پروفیسر شرافت عباس کے مضمون ''کوئٹہ کی عوامی اردو'' کے چیدہ چیدہ اقتباسات دیئے ہیں جو یقیناً بلوچستان میں بولی جانے والی عوامی اردو کی صحیح عکاسی کرتے ہیں، میں ڈاکٹر صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنے پیش لفظ میں میری نہایت معمولی خدمت کا بھی بڑھ چڑھ کر حوالہ دیا ہے، یہ ان کا بڑا پن ہے۔

''بلوچستان میں تذکرۂ اردو'' پیش لفظ کے علاوہ گیارہ ابواب پر مشتمل ہے، جن میں شاعری، تحقیق وتنقید افسانہ نگاری، ناول نگاری، سفرنامہ، تذکرہ نویسی وسوانح نگاری، یادداشتیں، طنز ومزاح، بچوں کا ادب، تراجم اور کتابیات شامل ہیں، سب سے پہلے میں آخری باب کا ذکر کرنا چاہوں گا، یعنی کتابیات جو درحقیقت ان کتابی حوالوں پر مشتمل ہے جن سے ڈاکٹر صاحب نے حوالے لئے۔یہ روایت یقیناً ڈاکٹر صاحب نے نہیں ڈالی، پہلے سے موجود تھی، لیکن یہ حقیقت ہے کہ اسے صحیح معنوں میں رواج ڈاکٹر انعام الحق کوثر صاحب نے ہی دیا کیونکہ قبل ازیں یار لوگ بڑے بڑے حوالے اپنے کھاتے میں ڈال کر لوگوں کو حیران و

پریشان کر دیا کرتے تھے، اب یہ روایت اس حد تک آ گئی ہے کہ بہت سے لکھنے والے اسے نظر میں رکھنے لگے ہیں۔ گو کہ اب بھی اس جانب مزید توجہ دینے کی ضرورت ہے (ڈاکٹر صاحب کو نہیں بلکہ دیگر لکھنے والوں کو) اس کا صرف یہی فائدہ نہیں ہے کہ مواد کا اعترافی حوالہ مل جاتا ہے بلکہ اگر اہل علم اس موضوع پر مزید تفصیل جاننا چاہیں تو انہیں مواد آسانی سے مل سکتا ہے۔

کتاب کے پیش لفظ کے بعد پہلا باب ''شاعری'' کے عنوان سے ہے، جس میں بلوچستان سے تعلق رکھنے والے ایسے ایسے اہل قلم کے نام ملیں گے جو ہمارے اہل قلم میں سے بعض نے شاید قبل ازیں سنے بھی نہ ہوں، اور یقیناً یہ فہرست حتمی نہیں ہے، اس میں اضافہ بھی ہوسکتا ہے میں یہاں یہ کہنا چاہونگا کہ آپ دیکھیں، بلوچستان میں صرف شعرائے اردو کی تعداد ڈیڑھ سو ہے اور یقیناً ڈیڑھ سو اس کتاب میں شامل ہیں، جبکہ بلوچستان تو یقیناً مختلف مقامی زبانوں کا گلدستہ ہے، جن میں بلوچی براہوی، پشتو، فارسی اور ہزارگی بھی شامل ہیں اگر ان تمام زبانوں کے شعراء کی تعداد کو بھی اس میں شامل کر لیا جائے تو میری دانست میں یہ تعداد پانچ سو سے کہیں زیادہ ہوگی کم نہیں، اور یہ جان کر مجھے اور میرے جیسے بلوچستان سے محبت کرنے والے دیگر حضرات کو یقیناً خوشی ہوگی بلکہ ہمیں اس بات کا فخر ہونا چاہیے کہ بلوچستان کسی طرح بھی ادب کے شعبے میں کسی صوبے سے پیچھے نہیں ہے، شاعری کے اس باب میں ڈاکٹر صاحب نے شعراء کے ناموں کی ترتیب ابجد کے حساب سے رکھی ہے جس کے مطابق سب سے پہلا نام میرے استاد محترم پروفیسر آغا صادق حسین نقوی کا آتا ہے، جبکہ آخری نام ''ماضی کی ایک توانا آواز'' حافظ یونس بھوپالی کا ہے جو روزنامہ 'زمانہ' کے سید منصور علی کے والد گرامی ہیں، اس باب میں شعراء کے تعارف کے ساتھ ساتھ ان کا کلام بھی دیا گیا ہے جس سے ان کے ہنر کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے، اس مختصر دائرہ کار میں اس سے زیادہ تفصیل میں جانا یقیناً ناممکن ہے اسلئے بقیہ ابواب پر تبصرہ کسی اور موقع کیلئے اٹھا رکھتا ہوں البتہ آخر میں اتنا ضرور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی سو سے زائد کتب اب تک شاید اس لئے کسی ادارے کی انعامی مہم کی نظر میں نہیں آسکیں کہ ڈاکٹر صاحب نے خود کو کتاب لکھنے کی مشین بنا رکھا ہے وہ لا بیاں بنانے کے نہ تو قائل ہیں نہ ہی انہوں نے کبھی ایسا کیا، لیکن متعلقہ اداروں کی بینائی اب اتنی بھی ضعیف نہیں ہونی چاہیے کہ انہیں ایک کتاب بھی نظر نہ آتی ہو، جبکہ ڈاکٹر صاحب کی زیادہ تر کتابوں کی مدد سے بے شمار کتابیں نہ صرف لکھی جا چکی ہیں بلکہ انہیں انعام کا حق دار بھی ٹھہرایا جا چکا ہے جبکہ صاحب غالب کے اس مصرعے (نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا) کے مصداق بلوچستان کے حوالے سے اپنی ادبی خدمات میں شب و روز جتے ہوئے ہیں میں انہیں ان کی خدمات پر دل کی گہرائیوں سے خراج تحسین پیش کرتا ہوں اور ان سے التجا کرتا ہوں کہ وہ براہ کرم اب اپنی آنے والی کسی بھی کتاب میں اپنی ان تمام کتابوں کی مکمل فہرست ہر حال میں شائع کریں جنہیں اگر ڈاکٹر صاحب کے برابر ترتیب سے رکھا جائے تو ان کے قد سے زیادہ ہونگی۔